حاکم اور رعایا کے فرائض

حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ شیخ الادب دارالعلوم دیوبند

موجودہ دور میں حاکم ومحکوم، تابع ومتبوع کے درمیان جو رسہ کشی اور کشیدگی پائی جاتی ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ آپس میں بے اعتمادی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور خدمات کی انجام دہی میں رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں۔ خلوص کا جذبہ یک لخت ختم ہو جاتا ہے۔ اور اقتدار وجاہ پسندی جگہ پکڑ لیتی ہے۔ اس کا صحیح دفعیہ ذیل کے مضمون میں نباض وقت حضرت مولانا اعزاز علی صاحب مرحوم شیخ الادب والفقہ دارالعلوم نے تشخیص فرمایا ہے۔ کہ حاکم اپنے مرتبہ کو اور محکوم اپنے فرائض کو سمجھے، مضمون اگرچہ پرانا ہے۔ لیکن اپنی افادیت کے لحاظ سے دور حاضر کے مطابق ہے۔

یہ ظاہر ہے۔ کہ کسی شخص کا تنہا کام کر لینا اس قدر زیادہ نہ تو عقل کا محتاج ہے۔ اور نہ قوت عاقلہ کی قوت پر دلالت کرتا ہے۔ جس قدر وہ شخص محتاج ہے۔ جس کو خداوند عالم نے اپنے ہم جنسوں پر افسری کا شرف عطا فرمایا ہے۔ اور ماتحت افراد کی کثرت اور قلت ہی اسکی عقل کے ضعف وقوت کا معیار ہے۔

وہ شخص عقل کا زیادہ حاجتمند نہیں ہے۔ جو فقط اپنے نفس پر حکمران ہے لیکن اس شخص سے زیادہ عقل کی ضرورت اس شخص کو ہے۔ جس کو خداوند عالم نے بی بی بھی عطا فرمائی ہے۔ اور اسی طرح اس شخص سے زیادہ محتاج عقل وہ شخص ہے جس کے گھر میں صرف بی بی ہی نہیں بلکہ بال بچے بھی ہیں۔ اور اسی طرح اس سے بھی زیادہ عقل اس شخص کے لئے ضروری ہے۔ جس کے تعلقات صرف بی بی اور بال بچے ہی تک محدود نہیں بلکہ اس کے خویش واقارب والدین بھی ہیں۔ اور اس سے زیادہ وہ شخص قوت عقلیہ کا حاجتمند ہے جس کے تعلقات

حکومت کے اس سے زیادہ ہیں۔ غرض یہ کہ ایک ناقابلِ رد مسلمہ ہے کہ جس شخص کے تعلقات زیادہ ہوں گے اور جس شخص کی افسری زیادہ ہو گی وہی عقل کا بھی زیادہ محتاج ہو گا۔ اور میں تو اس قید کو بھی بے فائدہ سمجھتا ہوں کہ اُس شخص کو عقل کی ضرورت زیادہ ہے جو اپنے ہمجنسوں پر افسری کرتا ہے اور ان سے کام لینے کا استحقاق رکھتا ہے۔ بلکہ میرے نزدیک تو اس شخص کے لئے بھی عقل کی ضرورت زیادہ ہے جس کے ماتحت اس کے ہم جنس انسان نہیں بلکہ جانور ہوں ——

اس مسلمہ سے یہ بھی سمجھ میں آجاتا ہے کہ بادشاہ چونکہ مختلف اقوام، مختلف الخیال، متفرق والی جماعت کا افسر ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو نسبتاً عقل کی زیادہ ضرورت ہے۔ اور جوں جوں اس کی سلطنت کی وسعت فرض کرتے جاؤ گے۔ اس کے لئے ضرورت عقل بھی زیادہ ماننی ہو گی۔

وہ حاکم، وہ گورنر، وہ سلاطین خوش قسمت ہیں جن کو خدا نے نعمت حکومت کے ساتھ دولتِ عقل بھی عطا فرمائی۔ لیکن ان سے بھی زیادہ خوش قسمت وہ حکام و سلاطین ہیں۔ جن کے ماتحت متفق الخیال ہیں ایک دوسرے کے دشمن نہیں۔ حاکم تک جو کچھ پہنچتا ہے وہ گویا سب ہی کا کہا ہوتا ہے۔ نہ اس کو یہ فکر ہوتی ہے۔ کہ اس واقع میں تلمیع سے کام لیا گیا ہے۔ نہ یہ خیال دامنگیر ہوتا ہے کہ دوسری جماعتوں سے تو اس کے متعلق استمزاج کر لیا جاوے، ان تمام خیالوں سے یکسو ہو کر وہ صرف یہ سوچتا ہے۔ کہ اس خبر کے متعلق کیا کرے وہ اس کشمکش سے بہت دور ہوتا ہے۔ کہ اپنے ماتحت لوگوں کے فردِ واحد یا کسی جماعت سے اس خبر کی تصدیق کرے۔ لیکن بدقسمت ہے وہ حاکم اور بدنصیب ہے وہ بادشاہ جس کے ماتحت لوگوں میں تفرقہ ہو، ان میں پارٹی بندیاں ہوں، ایک جماعت اپنے مقابل کو زک دینے کی فکر میں ہو، ان جماعتوں کے لیل و نہار انہی تدابیر میں گذرتے ہیں۔ کہ جائز ناجائز تدابیر کے ذریعہ سے حاکم کو دوسری جماعت سے بدظن کر دیا جائے۔

حکام واقعات سے اکثر بے خبر ہوتے ہیں۔ ان تک جو خبر بھی پہنچتی ہے۔ اپنے ماتحتوں کے ذریعہ سے پہنچتی ہے۔ لیکن ان کی خود غرضیاں ہر واقعہ کو ایسے رنگ میں پہنچانا چاہتی ہیں۔ کہ جس سے مخالف جماعت ذلیل ہو اور حاکم کی نظروں میں ہماری وقعت ہو اور سب پہ ہمارا ہی اقتدار ہو —— ایسی صورت میں اگر حاکم عقل سے خارج اور نورِ بصیرت

سے محروم ہوتا ہے تو کسی ایک پارٹی کے ہاتھ آجاتا ہے۔ اور ان کی خود غرضیوں کا شکار ہو کر دوسری جماعت پر بجا بیجا ظلم کرتا ہے، ایک جماعت کو اپنا پورا خیر خواہ صادق کامل تمام صفات بشریہ سے متصف سمجھ کر دوسری جماعت کو اپنا دشمن کاذب، انسانی تمام عیوب کا مخزن سمجھتا ہے، اور اس باطل خیال کی وجہ سے جو ناجائز کارروائیاں کر گذرتا ہے۔ ان کی تلافی ناممکن ہو جاتی ہے ـــــــ لیکن جو حکام عقل کے دشمن نہیں اور خداوند عالم کی دی ہوئی شمع بصیرت سے کام لیتے ہیں وہ کسی ایک پارٹی کے قبضہ میں اپنے آپ کو نہیں سونپتے ہیں۔ جو واقعہ ان کے پاس پہنچتا ہے۔ اس میں خود اپنے غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔ اور کوئی خبر کیسی ہی راستی کے لباس میں ان کے پاس پہنچائی جاوے مگر وہ اس کو قابل تحقیق ہی سمجھتے ہیں۔ اور جب تک ان کی ذاتی تحقیقات ان کو خاص نتیجہ تک نہ پہنچا دے وہ کوئی فیصلہ کن حکم نہیں دیتے اور اپنے ماتحت ہر جماعت کی خود غرضی کو تاڑتے رہتے ہیں۔

حکام کی یہ دو قسمیں ہوئیں، ان میں سے جس کو چاہو اچھا کہو اور جس کو چاہو بُرا۔ مگر فی الحقیقت ہمارے نزدیک اس حاکم کی حالت زیادہ قابل رحم ہے جس کے ماتحت تو مختلف الخیال ہوں۔ لیکن وہ بھی متلون المزاج ہو جس کا نتیجہ یہ نکلے کہ وہ کسی جماعت کے ساتھ نہ ہو بلکہ جبکہ ایک جماعت اپنی حیلہ پردازیوں میں کامیاب ہو جائے تو وہ اس کے قبضہ میں ہو کر دوسروں کی بات بالکل بھی نہ سنے اور جب دوسری جماعت ان تک کوشش کر کے اس کو اپنا طرفدار بنا لے تو اس کا تلون یہ یاد بھی نہ آنے دے کہ کسی وقت فلاں جماعت کے ساتھ ہمارا تعلق کیا تھا، ایک وقت اس کے ظالمانہ احکام ایک جماعت کا سر کچلتے ہوئے دیکھے جاتے ہیں تو دوسرے وقت دیکھنے والے دیکھ لیتے ہیں کہ گذشتہ مظالم سے زیادہ مظالم وہ اپنے ہاتھوں سے ان لوگوں پر توڑتا ہے جس کو یہ کسی زمانہ میں سر آنکھوں پہ بٹھاتا تھا۔ اور اس کی زبان حاکم کی زبان سمجھی جاتی تھی۔

مؤخر الذکر قسم کے حکام یہی نہیں کہ سب سے زیادہ مظالم کر گذرتے ہیں۔ بلکہ ان کا تلون ہر ایک جماعت کے نزدیک مسلم ہو جاتا ہے۔ جس جماعت سے وہ اظہار خصوصیت کرتا ہے۔ وہی جماعت اس کو اپنے دل میں بُرا سمجھتی ہے۔ اور اس کی عدم موجودگی میں کہتی ہیں۔ کہ جو خصوصیت آج ہم سے ظاہر کی جارہی ہے۔ وہی کل اس مظلوم جماعت سے ظاہر کی جاتی تھی وہ اپنے ماتحتوں میں سے کسی سے کوئی راز کہتا ہے مگر وہ ماتحت ہی خود اس کی

رازداری کا اعتبار نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ جو سلوک آج دوسری جماعتوں کے ساتھ اس کیطرف سے ہو رہا ہے وہی کل کو ہمارے ساتھ ہوگا۔

اس قسم کا شخص یہی نہیں کہ رات دن گرفتار مصائب اور مبتلائے آلام رہتا ہے۔ بلکہ اپنے ماتحتوں کی نظروں میں بھی اس لئے حقیر رہتا ہے کہ اس کا تلون ہر ایک کی نظر میں کھٹکتا ہے، وہ ہر شخص کو اپنا بنانا چاہتا ہے۔ لیکن لوگ اس سے دور بھاگتے ہیں۔ یہ شخص اکثر غلط کاری میں مبتلا ہوتا ہے۔ اور بالکل اس گیند کی طرح ہوتا ہے، جو کسی مسطح چیز پہ رکھی ہوئی ہو کہ وہ مسطح چیز جدھر کو جھکتی ہے۔ ادھر ہی کو یہ بھی جھک جاتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب کسی کارخانہ کا منیجر، کسی ریاست کا مدارالمہام، کسی صوبہ کا گورنر، کسی ملک کا گورنر متلون المزاج ہوتا ہے۔ تو وہ کارخانہ، ریاست، صوبہ اور ملک جلد از جلد تباہ ہو جاتے ہیں۔ اور جبکہ ایسے متلون المزاج کے ماتحت ایک ایسا فریق ہو کہ طرح طرح کے عیوب و جرائم کا ارتکاب کرنے کے بعد بھی اپنی ہوشیاری اور چالاکی کی وجہ سے حاکم کو اپنے سے بدظن نہ ہونے دے اور اس قسم کے ذرائع پیدا کرے کہ باوجود ارتکاب جرائم کے اس پہ کوئی آنچ نہ آوے تب تو جو کچھ اندھا دھند ہوتا ہے۔ ظاہر ہے ——

مذکورہ بالا قسم کے حکام اکثر ہوتے ہیں کہ وہ فریقین میں سے ہر ایک کی بات سننا اپنا فریضۂ دانشمندی سمجھتے ہیں۔ اور اگرچہ ان کے دل میں شکایت کرنے والوں کی طرف سے بھی رنج ہو مگر ان کے سامنے ان سے اظہارِ مسرت بھی کرتے ہیں اور اس سے غرض ان کی یہی نہیں ہوتی ہے کہ ہر شخص کے پورے خیالات و حالات سے واقف ہو جاویں۔ بلکہ غلط فہمی اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے وہ اس کو بھی حزم و احتیاط اور عقل و دانش کا مقتضا سمجھتے ہیں کہ ہر شخص کے سامنے اس کے مخالف کی نسبت ایسے کلمات کہہ دیں جن سے اس کو یہ خیال ہو جاوے کہ یہ افسر فلاں شخص سے خوش نہیں تاکہ اس کے متعلق اس کو جو کچھ بھی کہنا ہو صاف صاف کہہ دے اور فی الحقیقت یہ پالیسی کچھ دنوں مفید ثابت ہوتی ہے۔ اور تھوڑے بہت حالات سے واقف ہو جاتا ہے، لیکن اس بیہودہ طرزِ عمل سے سب سے بڑا اور ناقابل تلافی نقصان جو اس کو پہنچ جاتا ہے وہ یہ ہوتا ہے کہ چند ہی دنوں کے بعد ماتحت بھی اس کو سمجھ جاتے ہیں۔ کہ حاکم کا طرزِ عمل منافقانہ ہے۔ اور نہ اس کی خوشی کا اعتبار نہ رنج کا۔ مآل کار یہ ہوتا ہے۔ کہ اگر وہ کسی ماتحت کی کسی خدمت پہ اظہارِ مسرت کرتا ہے تو ماتحت کا یہ

خیال اس کے خیالات خدمت میں ترقی نہیں دیتا کہ حاکم کی یہ مسرت مصنوعی مسرت ہو گی، یہ ہر شخص سے یہی کہتا ہے۔ جو آج ہم سے کہا اور اگر کسی ماتحت کے کسی فعل پر اظہار ناراضگی کرتا ہے، تو دوسروں کے لئے وہ تنبیہہ موجب اثر نہیں ہوتی کیونکہ وہ اس کے تلون سے واقف ہو چکے ہیں ــــــ پس جب ماتحتوں کا اعتماد حاکم سے اس طرح اٹھ جائے تو اس کے ماننے میں کیا دشواری ہے کہ یہ کام جلد از جلد خراب ہونے والا ہے۔

یہ متلون مزاج حاکم ہر شخص کے منہ پر اس کی سی کہہ دینے والا افسر، ہر ایک سے شکایات اور نمائم سن کر اپنے آپ کو فیصلہ کرنے اور حق و باطل میں تمیز کرنے پر قادر سمجھنے والا جج، شکایتوں کو سن کر ان کے ازالہ کی فکر میں ہو کر بالکل اس طبیب کے مشابہ ہوتا ہے۔ جو مرض کا ازالہ اس طرح کرے کہ مرض کے اسباب زائل نہ ہوں اور مرض زائل ہو جاوے۔

کون کہہ سکتا ہے۔ کہ اس طبیب نے ازالہ مرض میں کامیابی حاصل کی جس نے صرف مرض کے آثار و علامات کو زائل کیا مگر اسباب مرض زائل نہ ہو سکے، اسی طرح جس بادشاہ یا گورنر نے ان شکایات کا دروازہ ہی بند کر دیا تو کون کہہ سکتا ہے کہ اس کی عقل نے اس کا ساتھ دیا ــــ

اگر ناممکن نہیں تو یہ صورت مستبعد یقیناً ہے۔ کہ کسی حاکم کی ماتحتی میں چند افراد ہوں اور سب کے سب ایسے متحد الخیال اور متفق الاغراض ہوں کہ کسی کو دوسرے سے چشمک نہ ہو، ہر ایک دوسرے کے نفع کو اپنا نفع اور نقصان کو اپنا نقصان سمجھے اس لئے ہر حاکم اکثر بلکہ ہمیشہ ان افراد ہی پر حکمراں ہوتا ہے۔ جو خود غرضی کی وجہ سے ایک دوسرے کے درپے ہوتے ہیں۔ اور چونکہ حاکم واقعہ سے اکثر بے خبر ہوتا ہے اس لئے اس کے سامنے واقعات ہمیشہ "بنا خوب تر صورتے تشرح داد" کا اعادہ کرتے ہیں۔ اور چونکہ روزمرّہ کی شکایات سنتے سنتے حاکم ہر ایک کو ناقابل اعتماد سمجھ لیتا ہے۔ اس لئے وہ ہر شخص کی بدنظمی کی وجہ سے ہر ایک کی نظر میں خود ذلیل اور ناقابل اعتبار ہو جاتا ہے ــــ

زمانۂ ماضی کے حکمرانوں پر نظر ڈالو ان کے حالات قصّہ کے طور پر نہیں بلکہ استفادہ کے طور پر مطالعہ کرو تو معلوم ہوگا۔ کہ حکمران جماعتیں ان مہلک امراض کا علاج کیسا سہل اور مفید تر کر لیا کرتی تھیں۔ سلطان نور الدین رحمۃ اللہ جس کے متعلق ہم اس سے قبل بھی کچھ لکھ چکے ہیں۔ علم دوست اور متبع شریعت سلطان تھا، علماء اسلام اور فقہائے امت کی تعظیم و تکریم

اس قدر کرتا تھا کہ شاید آجکل سعید سے سعید اولاد اپنے باپ کی اور صالح سے صالح شاگرد استاد کی اس قدر نہ کر سکتا ہو اگرچہ اس کا رعب و جلالت قدر اور عظمت شان بڑے بڑے گورنروں کا پتہ پانی کرنے کو کافی تھا۔ لیکن علماء اور صلحاء امت جن کے پاس علم دین کی سطوت کے سوا کوئی دوسری سطوت نہ تھی۔ اس کے پاس اس بے تکلفی سے آکر بیٹھتے تھے۔ گویا کہ ایک بھائی دوسرے بھائی کے پاس بیٹھا ہوا ہے۔ ان علماء اور صلحاء پر نہ خوف ہوتا تھا نہ ہراس، وہ سلطان نور الدین رحمۃ اللہ کی فقط اسی قدر تکریم کرتے تھے جس کا امر ان کو خداوندی مقدس کتاب نے کیا تھا۔ لیکن سلطان کی یہ حالت تھی کہ کتنے ہی فاصلے سے کسی ذی علم کو آتا دیکھتا تھا وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہو جاتا تھا، ناممکن تھا کہ وہ اپنی آنکھوں سے کسی عالم کو آتا ہوا دیکھے اور کھڑا نہ ہو جاوے، اور جب وہ اس کے پاس پہنچ جاتا تو وہ اس سے معانقہ کرتا، اور ساتھ ہی اپنی مسند پر بٹھاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ممالک بعیدہ کے علماء اس کے یہاں جمع ہو گئے تھے، علماء امت کی یہ توقیر امراء سلطنت کو کسی طرح پسند نہ آتی تھی، وہ کہتے تھے کہ صوبات سلطنت میں تو ہم لوگ مال تو بجائے خود جان سے بھی دریغ نہ کریں، مصالح سلطنت کے مشوروں میں اپنا عیش و آرام ہم حرام کر دیں۔ لیکن یہ باتیں بنانے والے علماء ہم سے زیادہ عزت کے ساتھ بسر کریں جن کو ان سے زیادہ کچھ نہیں آتا فلاں مسئلے کا یہ حکم فلاں کتاب میں لکھا ہے، اور یہ ناجائز اور وہ جائز ـــــ

بناء علیہ امراء ان علماء امت کے عیوب سلطان سے بیان کرتے تھے اور اپنے کہے ہوئے کے اثبات کے لئے تیار ہوتے تھے، سلطان کی طرف سے فقط یہ جملہ جواب میں ہوتا تھا کہ ومن المعصوم۔ وانما الکامل من تعد ذنوبہ۔ اس مختصر سے جملے کا مطلب یہ ہے۔ کہ دنیا میں ایسا شخص تو کوئی بھی نہیں جس سے کوئی گناہ صادر ہی نہ ہوتا ہو، دنیا میں چونکہ گناہگار بکثرت ہیں۔ اس لئے سب سے اچھا وہ شخص ہے جس کے گناہ قابل شمار ہوں کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس کے گناہ فقط اسی قدر ہیں اس سے زیادہ گناہ نہیں ہیں ـــــ

سلطان کا یہ جملہ حاکم اور محکوم دونوں کے لئے نصیحت سے بھرا ہوا ہے۔ حاکم کے لئے تو اس طرح کہ اگر وہ کسی کی ایک آدھ خطا پر گرفت نہ کرنی چاہئے کیونکہ ہر شخص خطا کار ہے۔ ضرورت ہو تو مناسب فہمائش کر دے اور محکوم کے لئے اس طرح کہ جب ہر شخص میں کچھ نہ کچھ

عیوب ہوتے ہی ہیں تو پھر شکایت فعل عبث ہے۔ خود اپنے عیوب سے بھی غافل نہ رہنا چاہئے ـــــ اسی سلسلہ میں وہ واقعہ بھی بغور سننے کے قابل ہے۔ کہ جس کو ابن تاثیر نے بیان کیا ہے :

علماء بلاد اور فقہاء امصار سلطان نور الدین کے زیر سایہ اس لئے آباد ہو گئے تھے۔ کہ وہ نہ صرف ان کے علم کا قدر داں تھا بلکہ اس کی سلطنت میں ان کو ہر طرف سے آسائش و آرام حاصل تھا اور سلطان ان کی وہ تعظیم کرتا تھا جو دوسرے حکمراں نہ کر سکتے تھے۔

علامہ قطب الدین نیشاپوری کو ان سب سے ایک درجہ کا امتیاز یہ بھی حاصل تھا کہ یہ خراسان سے سلطان کی طلب پر اپنا گھر بار چھوڑ کر آئے تھے، اس لئے سلطان ان کی عزّت زیادہ کرتا تھا ـــــ

ارکین سلطنت کو ہر ایک عالم کی زیادت تعظیم پر حسد ہونا فطری امر تھا۔ لیکن سلطان کے ایک خاص مقرب امیر کو علامہ قطب الدین خراسانی کی حد سے زیادہ تعظیم بہت شاق گذری۔

ایک روز جبکہ سلطان امیر مذکور سے بہت زیادہ خوش تھا۔ اس نے موقع پاکر علامہ ممدوح کا تذکرہ شروع کر دیا، اور اس تذکرہ میں علامہ کی وہ قوی شکایتیں بھی کر گذرا جن کی نسبت اس کا خیال تھا کہ یہ امور سلطان کو یقیناً ناپسند ہوں گے۔

سلطان نے اوّل سے آخر تک اس کی بات کو سنا اور جب اس کا دل سب کچھ کہہ کر ٹھنڈا ہو گیا اور سلطان کی اس توجہ سے سمجھ گیا کہ اگر علامہ خراسانی آج ہی خراسان کو واپس نہ کر دیئے گئے تو کم از کم وہ عظمت تو یقیناً نہ رہے گی جو ان کو نصیب تھی۔ اس وقت سلطان نے یہ مختصر سا جواب دیکر اس قسم کی شکایتوں کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا :

یاھذا ان کان ما تقول حقافلہ	خدا کے بندے ! تم نے جو کچھ مجھ سے
حسنۃ تغفر کل زلۃ تذکرھا	اس وقت بیان کیا ہے۔ اگر اس کو
وھی العلم والدین واما انت و	علی سبیل الفرض صحیح مان لیا جائے تب
اصحابک ففیکم اضعاف	بھی علامہ قطب الدین میں ایک خوبی ایسی
ما ذکرت ولیست لکم حسنۃ	موجود ہے۔ جو ان تمام عیوب کو نسیاً منسیا
تغفرھا و لو عقلت لشغلک	کر دینے کے لئے کافی ہے۔ جن کو تم اس
عیبکم عن غیرک وانا احتمل	وقت اچھال رہے ہو۔ (یعنی علم اور دیانتداری)

سیأتکم مع عدم حسناتکم فلا احتمل سیئۃ ھذا ان صحت مع وجود حسنۃ علی انی واللہ لا اصدقك فیما تقول وان اعدت ذکرتہ او غیرہ بسوء لاؤدبنك۔

باقی رہے تم اور تمہارے ساتھی ان کا حال یہ ہے کہ جس قدر برائیاں تم علامہ ممدوح کی کر رہے ہو ان سے بدرجہا زیادہ تم میں ہیں۔ اور تم میں ایک خوبی ایسی نہیں جو ان تمام برائیوں کا مقابلہ کر سکے اور اگر خدا تمکو عقل دیتا تو تم خود اپنے عیوب کی اصلاح میں مصروف رہتے۔ اور دوسروں کی عیب جوئی میں مبتلا نہ ہوتے، تم لوگوں میں کسی قسم کی خوبی نہ ہونے کے باوجود میں تم لوگوں کی برائیوں کو برداشت کرتا ہوں تو اگر علامہ ممدوح میں وہ عیوب مان بھی لئے جاویں جن کو تم بیان کرتے ہو تو کیا یہ عیوب اس نیکی کے ہوتے ہوئے بھی قابلِ تحمل نہیں، علاوہ ازیں ایک صاف بات یہ ہے۔ کہ میں تمہاری ان باتوں کو سچا بھی نہیں سمجھتا ہوں، اور اگر تم نے آئندہ سے ان کا یا ان کے سوا کسی اور کا برائی کے ساتھ ذکر کیا تو میں تم سے اس کی سخت باز پرس کروں گا۔

اس مختصر واقعہ کو نقل کر کے ابن اثیر نے جن مختصر مگر جامع الفاظ میں سلطان کی داد دی ہے۔ وہ بھی قابلِ گذارش ہے:

ھذا واللہ ھو الاحسان والفعل الذی ینبغی ان یکتب علی العیون بماء الذھب۔

خدا کی قسم یہی وہ عمدہ طریقے ہیں جن کو اپنی آنکھوں پر سونے کے پانی سے لکھ کر دستور العمل بنانا چاہئے۔ کیا اب بھی کوئی خیال کر سکتا ہے۔ کہ سلطان کی اس قدر سرزنش اور صاف گوئی کے بعد بھی کسی میں یہ ہمت باقی رہتی ہوگی کہ وہ کسی کی برائی سلطان کے سامنے کر سکتے۔

ہماری اس گذارش پر اگر یہ خلجان ہو گا کہ سلطان شکایتوں کے سننے سے اسی طرح احتراز کرے جیسا کہ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے تو رعایا کے عیوب سلطان کو کس طرح معلوم ہو سکیں گے اور ان کے ازالہ کی کیا تدبیر ہو سکے گی، لیکن یہ مطلب نہ تو ہمارا ہے۔ اور نہ اس واقعہ سے یہ سبق حاصل کرنا چاہئے بلکہ یہ روک تھام تو ان وقائع کے متعلق ہے جن کے منعم حقیقی کی عطا کی ہوئی فراست اس امر کا پتہ دے کہ حساد کے حسد نے یہاں تک پہنچا دیا ہے، لیکن جو واقعات مظلوموں کے ذریعہ سے پہنچیں ان پر فوری توجہ کرنا سلطان کا اولین فرض ہے ـــــ چنانچہ

(باقی صفحہ ۲۵ پر)

———— سلطان نور الدین کی یہ توجیہ اس واقعہ سے بخوبی معلوم ہو سکے گی جو ہم نے اسد الدین شیر کوہ کے متعلق بیان کیا ہے ———— ہماری اس گذارش کا مطلب صرف اس قدر ہے. کہ اگر اس کے طرز عمل سے یہ ثابت ہوگا کہ وہ کانوں کا کچا اور متلون مزاج ہے اور اگرچہ اس کے یہاں کوئی کیسا ہی مقرب کیوں نہ ہو مگر شکایات اور بہتان کے ذریعہ سے اس کی توہین ممکن ہے. تو ہر گھڑی اس کے پاس مختلف صورتوں سے شکایتوں کا ہجوم رہے گا. اور بسا اوقات اس کو اس نتیجہ پہ پہنچنا مشکل ہو جاوے گا. کہ ان شکایتوں کا اصلی سبب حسد ہے. اور ایسی حالت میں اگر وہ کوئی بیجا حکم صادر کر دے یا کسی بے جرم کی اہانت کر دے تو زیادہ بعید نہیں اس لئے ایسی تدبیر ہونی چاہیئے کہ نہ تو شکایتیں اس قدر کثرت سے اس کے پاس پہنچیں کہ اس کو خبیث اور طیب میں تمیز ہی دشوار ہو جاوے اور نہ کسی پہ اس قدر اعتماد کر لے کہ سیئات بھی حسنات سے بدل جاویں بلکہ اس کو توسط کا ایک ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے جس کی دونوں جانبیں برابر ہوں. کیونکہ جب کوئی شخص کسی بڑے کی نظر میں عزت حاصل کرتا ہے. تو اس کے حساد لازمی طور سے پیدا ہو جاتے ہیں. اور تقرب تو بڑی چیز ہے کسی کو کوئی نعمت چھوٹی ہو یا بڑی حاصل ہو جاتی ہے تو اس کے لئے حاسد ضرور ہو جاتے ہیں، یہی وجہ ہے. کہ عرب کے ایک دانشمند کا قول ہے: لاخیر فیمن لیس یعرف حاسدہ. (وہ شخص تمام نعمتوں سے خالی ہے جس کے حاسد نہ ہوں) پس جبکہ ہر مرتبہ والے کے لئے حاسد ہونے ضرور ہیں تو جابیجا شکایتیں ضرور ہیں. اس لئے ان شکایتوں کا سدباب تو اسی طرح ہونا چاہیئے جسطرح کہ سلطان نور الدین نے کیا. لیکن اگر وہ شکایتیں مظلوموں کی شکایتیں ہیں تو ان کے ازالہ کے لئے ہر ممکن سے ممکن تدبیر کو کام میں لانا چاہیئے ــ ؛

نذرِ عقیدت

یہ خبر یورپ کے ملک کی ہے. اُس ملک کا نام ڈنمارک ہے. اس ڈنمارک میں ایک خاتون کو بڑا اعزاز اور بڑا تمغہ دیا گیا ہے. اس لئے کہ اس خاتون نے جسکی عمر پینتیس سال ہے، اس "قلیل" عرصے میں اب تک چودہ بچے پیدا کئے ہیں اور پندھواں عنقریب پیدا کرنے والی ہے ——— یہ اعزاز اسے اس لئے دیا گیا کہ ڈنمارک میں ــ یورپ کے اس مشہور ملک میں ــ زیادہ بچے پیدا کرنے کی تحریک چل رہی ہے. اور اس خاتون نے پینتیس سال کی عمر میں پندرہ بچے پیدا کر کے اپنے ملک کی عظیم الشان خدمت انجام دی ہے. اس کے یہ بچے قوم کی طاقت بنیں گے اور ملک کی سرحدوں کی حفاظت کریں گے ———

یہ خبر پاکستان میں ہم اُن لوگوں کی نذر کرتے ہیں جو اس ملک میں کم بچے پیدا کرنے کی تحریک چلا رہے ہیں.

"حریت"